© rasailojaraid.com

ایران میں اصلاحات

ڈیوڈ ماچی

ترجمہ: سلیم منصور خالد ، محمد سعید

۱۹۷۹ء میں مذہبی عناصر نے شاہ ایران کو ملک چھوڑنے پر مجبور کر دیا، جو تیل کی دولت سے مالا مال ملک کو مغرب کے رنگ میں رنگنا چاہتا تھا۔ کچھ ماہرین کی رائے ہے کہ ''بیس برس گزرنے کے بعد، ایران ایک مرتبہ پھر تبدیلی کے دوراہے پر کھڑا ہے، صدر محمد خاتمی کا انتخاب، جو ایک معتدل مزاج لیڈر ہیں، اس کی ایک علامت ہے۔ جب کہ کچھ دانش وروں کی رائے ہے کہ: ''خاتمی ۱۹۷۹ء کے انقلاب میں کسی تبدیلی کے نہ خواہش مند ہیں اور نہ ایسا کرنے کی طاقت رکھتے ہیں''۔ اسی طرح ایران کے خلاف امریکی پابندیوں کی حمایت یا مخالفت کے بارے میں مختلف طرح کے ردِعمل سامنے آ رہے ہیں۔

مسائل

فروری [۹۸ء] میں سترہ ممالک کے پہلوانوں کے درمیان ہونے والے مقابلوں میں شرکت کے لیے تہران آنے والے امریکی پہلوان یہ نہیں جانتے تھے کہ ان کے ساتھ کیا سلوک ہوگا۔ کیوں کہ وہ گزشتہ بیس برسوں کے دوران، ایرانی سرزمین پر امریکی نمائندگی کرنے والی پہلی ٹیم کے ارکان تھے۔ اس ٹیم کے رکن میلون ڈگلس نے اعتراف کیا کہ ''ہم واقعی پریشان تھے''۔

ایسے ملک میں، جہاں مقبول ترین نعرہ: ''مرگ بر امریکہ'' [امریکہ مردہ باد] ہے، جانے والی امریکی ٹیم کے پاس دو قسم کا لباس تھا۔ ایک وہ لباس جس پر امریکی پرچم کی علامت تھی، اور دوسرے پر ایسی کوئی علامت نہ تھی لیکن امریکی پہلوانوں کا سارا خوف بے بنیاد ثابت ہوا۔ اس ضمن میں شہ زور کیون جیکسن نے بتایا ''جب ہم افتتاحی تقریب میں پرچم لہراتے ہوئے گزرے تو ایرانیوں نے غیر متوقع طور

* David Masci, "Reform in Iran: Are moderate Changing the Islamic Republic?", CQ Researcher, Dec 1998, PP. 1097 - 1120

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

تالیاں بجا کر ہمارا پرجوش استقبال کیا''۔ پھر ۲۳ فروری کو جب امریکی پہلوان لیری زیکی جونز نے چاندی کا تمغہ وصول کرتے وقت خوشی سے ایرانی جھنڈا لہرایا تب بارہ ہزار ایرانی تماشائیوں نے بے ساختہ ''امریکہ، امریکہ'' کے نعرہ ہائے تحسین بلند کیے۔ عوامی سطح پر اس مظاہرے نے سب کو ورطہ حیرت میں ڈال دیا۔

عام طور پر امریکیوں کے ذہنوں میں یہ بات جمی ہوئی ہے کہ ایران دہشت گردوں، مذہبی جنونیوں اور امریکیوں سے نفرت کرنے والوں کا خطہ ہے۔ ۱۹۷۹ء کا انقلاب اور پھر اسی سال ۴۴۴ ایام کے لیے امریکی سفارت کاروں کو یرغمال بنائے جانے کا واقعہ اس تاثر کی بنیادی وجوہات میں شامل ہیں۔ امریکی آج تک قومی سطح پر اپنی توہین کے وہ مظاہرے نہیں بھول سکے جن کی سرپرستی اور تائید ایرانی حکومت کرتی رہی ہے۔ اسی طرح دونوں ملکوں کے درمیان بے اعتمادی کی فضا کو بڑھانے میں ۱۹۸۳ء کا وہ واقعہ بھی قابل ذکر ہے جس میں ایرانیوں نے بیروت (لبنان) میں امریکی بحریہ کی رہائش گاہوں کو بموں سے اڑانے میں مدد دی تھی۔ اسی طرح ایرانی بھی یہ بات نہیں بھولے کہ ۱۹۹۰ء میں جنگ خلیج سے پہلے امریکہ نے ایرانی مسافر طیارے کو گرایا تھا۔ بہرحال ایران کی سرکشی کی تمام کوششوں کے باوجود امریکہ نے اسے سخت سزا دینے کی کوشش نہیں کی، بلکہ کسی نہ کسی طور چھوٹ ہی دی۔ البتہ اقتصادی پابندیاں عائد کرنے میں کوئی رورعایت نہیں برتی۔

> عام طور پر امریکیوں کے ذہنوں میں یہ بات جمی ہوئی ہے کہ ایران دہشت گردوں، مذہبی جنونیوں اور امریکیوں سے نفرت کرنے والوں کا خطہ ہے۔

لیکن، جنوری [۹۸ء] کے دوران نومنتخب ایرانی صدر محمد خاتمی نے ایران اور امریکہ کے درمیان تناؤ کی کیفیت کو کم کرنے کی کوشش کی۔ انہوں نے امریکی ٹیلی ویژن سی این این کی رپورٹر کرسٹین امانپور کو انٹرویو [۷ جنوری] دیتے ہوئے امریکہ اور ایران کے درمیان بے اعتمادی کی دیوار گرانے کی ضرورت پر زور دیا اور باہمی مکالمے کی اہمیت اجاگر کی۔ صدر خاتمی نے کہا ''دونوں ملکوں کو چاہیے کہ فنکاروں، دانشوروں اور زندگی کے مختلف شعبوں سے تعلق رکھنے والے لوگوں کو ایک دوسرے کے ہاں بھیجیں۔ یہ چیز باہمی اعتماد پیدا کرے گی اور غلط فہمیاں دور کرے گی''۔ اسی انٹرویو کے بعد امریکی پہلوانوں کی آمد اور اس پر ردعمل عوامی سطح پر گرم جوشی

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

کا پہلا ایرانی مظاہرہ تھا۔

اسی طرح یہ بھی حیرانی کی بات تھی کہ صدر محمد خاتمی نے امریکی سفارت کاروں کو یرغمال بنائے جانے کے واقعے پر معذرت کی، اور کہا ''اس واقعے سے عظیم امریکیوں کے دل یقیناً دکھے تھے، جس پر میں معذرت خواہ ہوں''۔ صدر خاتمی کے مفاہمت پسندانہ الفاظ سے خود ایران میں بھی یہ امید پیدا ہوئی کہ اسلامی جمہوریہ ایران، روشن خیالی کی طرف سفر میں بامعنی پیش رفت کرے گا۔ صدر خاتمی نے انسانی حقوق کی ضرورت، اہمیت اور بحالی پر بھی اکثر زور دیا ہے۔ اسی طرح قانون کی حکمرانی اور مغرب سے تعلقات کی اہمیت کو بھی اجاگر کیا ہے۔

صدر خاتمی نے امریکی سفارت کاروں کو یرغمال بنائے جانے کے واقعے پر معذرت کی، اور کہا ''اس واقعے سے عظیم امریکیوں کے دل یقیناً دکھے تھے، جس پر میں معذرت خواہ ہوں''۔

ایرانی امور پر نگاہ رکھنے والوں کا اندازہ ہے کہ اسلامی جمہوریہ کا زوال شروع ہو چکا ہے۔ مثلاً، امریکن انٹرپرائز انسٹی ٹیوٹ کے ڈیوڈ ورمسر کے بقول: ''میرے خیال میں اس [ایرانی] طرزِ حکومت کی موجودہ شکل تادیر کام نہیں کرسکتی''۔ ورمسر کی رائے سے ملتے جلتے تاثرات ایرانیوں کے بھی ہیں۔ وہ مذہبی حکمرانوں اور ان کے طرزِ حکمرانی کی تائید کرنے سے گریزاں ہیں۔ دیگر امور کے ساتھ ان کا خیال ہے کہ ان مذہبی حکمرانوں کے غیر معیاری طرز حکومت نے معاشی بدنظمی کا وہ راستہ اختیار کیا ہے جس نے ایرانیوں کے معیار زندگی کو گرا دیا ہے۔ ان اہل دانش کی رائے ہے کہ نوجوان ایرانی نسل (جو تعداد کے اعتبار سے اکثریت کے حامل ہیں) اپنے بڑوں کے ''انقلابی'' جذبوں کی تائید کرنے کو تیار نہیں ہے۔ وہ شاہ ایران کے زوال کے بعد پیدا ہوئے، اور اس کے طرز حکمرانی کے بارے میں نہ ہونے کے برابر جانتے ہیں۔ البتہ آیت اللہ خمینی کے طرز حکمرانی اور اس کے تسلسل سے وہ خوب واقف ہیں۔ بقول مسٹر ورمسر ''یہ نوخیز نسل اپنے حکمرانوں سے کوئی ہمدردی نہیں رکھتی، ان کی دلچسپی کا محور یہ ہے کہ امریکہ سے کیا آ رہا ہے۔ یہ نسل امریکی فلموں اور میوزک میں دلچسپی رکھتی ہے''۔

جن لوگوں کی رائے ہے کہ ایرانی انداز حکومت میں تبدیلی آئے گی، وہ صدر خاتمی کے اقتدار کو اس کا نقطہ آغاز قرار دیتے ہیں کہ جو اس بڑی آبادی کے خوابوں کو تعبیر دے سکتے ہیں، جن کی منزل معتدل مزاج

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

معاشرہ اور آزاد رو معاشرت ہے۔ یہ بات ساندرا میکی نے اپنی کتاب ''ایرانی عوام: فارس، اسلام اور قومی روح'' [انگریزی] میں لکھی ہے۔

مگر دوسرے ماہرین اسے خوش فہمی پر مبنی توقعات قرار دیتے ہیں۔ خاص طور پر ماضی قریب میں، اس طرز حکمرانی پر تنقید کرنے والوں کے قتل کے واقعات مایوس کن منظر ابھارتے ہیں۔ ان کا یہ خیال ہے کہ یہ توقع پوری ہونا محال ہے کیونکہ صدر خاتمی اپنی تمام تر مقبولیت کے باوجود، طاقت کے سرچشموں پر کوئی بامعنی رسوخ نہیں رکھتے۔ فوج، عدلیہ اور پولیس سب روحانی رہنما آیت اللہ خامنہ ای کے زیر اثر ہیں، جو تبدیلیوں کی لہر کے مخالف ہیں۔ پروفیسر محسن میلانی (یونیورسٹی آف فلوریڈا) کہتے ہیں ''یہ نظام کچھ اس طرح تشکیل دیا گیا ہے کہ اپنی مقبولیت کے باوجود، صدر خاتمی اس میں کوئی تبدیلی لاتے دکھائی نہیں دیتے''۔ ادھر پروفیسر باہمن بختیاری (یونیورسٹی آف مائن) کا خیال ہے کہ ''صدر خاتمی درحقیقت اسی نظام کا حصہ ہیں'' گویا کہ ان سے توقعات باندھنا عبث ہے، اور: ''وہ اسی نظام کے اندر کام کر رہے ہیں، نہ اسے چیلنج کرتے ہیں، اور نہ اسے تبدیل کرنے کی ہمت رکھتے ہیں''۔

> نوجوان ایرانی نسل اپنے بڑوں کے ''انقلابی'' جذبوں کی تائید کرنے کو تیار نہیں ہے۔ وہ شاہ ایران کے زوال کے بعد پیدا ہوئے، اور اس کے طرز حکمرانی کے بارے میں نہ ہونے کے برابر جانتے ہیں۔ البتہ آیت اللہ خمینی کے طرز حکمرانی اور اس کے تسلسل سے وہ خوب واقف ہیں۔

کچھ حلقوں کی رائے ہے کہ تبدیلی کا عمل صدر خاتمی کے بس کا روگ نہیں ہے، بلکہ یہ کام امریکہ اور معتدل عناصر کو مل جل کر انجام دینا چاہیے، اور اس کے لیے اقتصادی پابندیوں میں نرمی برتنی چاہیے۔ دوسری جانب بہت سے پالیسی ساز دلیل دیتے ہیں کہ امریکی اقتصادی پابندی نے ایرانی معیشت پر بڑے منفی اثرات مرتب کیے ہیں۔ اس لیے انہیں، ایران میں تبدیلی لانے کے اہم محرک اور عامل کی صورت میں داخلی اور بین الاقوامی سطح پر استعمال کرنا چاہیے۔

جیفری کیمپ، ڈائریکٹر ریجنل پروگرام (نکسن سنٹر، واشنگٹن) کا نقطہ نظر یہی ہے کہ ''اقتصادی پابندیاں ہی وہ دباؤ ہے، جس کے بل پر وہ ایران کو تبدیلی کی راہ پر لا سکتے ہیں''۔ یعنی کیمپ اور دوسرے ہم

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

خیال اداروں کے نزدیک ''یہ پابندیاں صدر خاتمی کی تائید ہی میں جاتی ہیں۔ کیوں کہ لوگ یہی پیغام لیں گے کہ ان کے مصائب کا سبب اسلامی حکومت ہے''۔

محسن میلانی کی دلیل ہے کہ ''پابندیوں نے ایران میں شدت پسندوں کو مضبوط بنایا ہے، اس لیے پابندی ہٹانے سے معتدل عناصر کی پذیرائی میں اضافہ ہوگا۔ ان پابندیوں نے ایران کا شاید کچھ نہیں بگاڑا، البتہ امریکی کاروبار کو ضرور صدمہ پہنچایا ہے، جس کے نتیجے میں وہ تیل کی دولت رکھنے والے ملک اور اس کی چھ کروڑ ستر لاکھ آبادی کی منڈی سے محروم ہوا ہے''۔

کیا انقلاب زوال پذیر ہے؟

مئی ۱۹۹۷ء میں ایرانیوں نے اپنی حکومت اور دنیا بھر کو حیرانی میں مبتلا کر دیا۔ اس حیرانی کا سبب محمد خاتمی کو ستر فی صد ووٹوں کے ساتھ صدر منتخب کرنا تھا۔ جب کہ ان کے مدمقابل امیدوار علی اکبر ناطق نوری تھے، جو پارلیمنٹ کے اسپیکر اور انقلابی حکومت پر گرفت رکھنے والوں کے من پسند نمائندے تھے۔ اور جن کی کامیابی کی توقعات بھی تھیں۔

انتخابی مہم کے دوران محمد خاتمی نے معاشرے کو کشادگی اور ماحول کو دستور کی حکمرانی کا پھل دینے کا وعدہ کیا تھا۔ ''فارن پالیسی'' کے مقالہ نگار رابن رائٹ کے بقول: ''خاتمی کا انتخاب درحقیقت ایران کے تمام طبقہ ہائے زندگی سے تعلق رکھنے والے لوگوں کی ان خواہشات کا مظہر ہے کہ معاشرتی اور ثقافتی زندگی پر ریاست کی پابندیاں نرم ہونی چاہئیں، سیاسی اور معاشی امور کو سلیقے سے چلانا چاہیے''۔

صدر خاتمی کے انتخاب سے امیدیں باندھنے والے یہ سن کر مایوس ہوں گے کہ، خاتمی خود ایک شیعہ مذہبی انسان ہیں جنھوں نے اسلامی انقلاب کی بھرپور حمایت و اعانت کی تھی۔ اور خاتمی ان چار امیدواروں میں سے ایک ہیں، جنہیں حکومت نے دو سو امیدواروں میں سے ''قابل قبول'' قرار دے کر انتخاب میں حصہ لینے کی اجازت عطا فرمائی۔ دوسرا یہ کہ ایران میں آج صدر کا منصب عملی طور پر کوئی طاقت کی علامت نہیں، بلکہ طاقت اور تبدیلی کا سرچشمہ تو روحانی لیڈر خامنہ ای کی ذات ہے۔ جن کی مدد کے لیے سابق صدر ہاشمی رفسنجانی ان سے وابستہ ہیں اور بہت سے بارسوخ مناصب کے کرتا دھرتا ہیں۔

جبکہ، محمد خاتمی، مغربی طرز حکومت کی مانند کوئی صدر جمہوریہ نہیں ہیں، مگر اس کے باوجود اصلاحات

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

کا خواب بھی دیکھتے ہیں۔ اب سوال پیدا ہوتا ہے کہ جب ایرانیوں نے محمد خاتمی کو منتخب کیا تھا، تو کیا وہ سمجھے کہ یہ لیڈر اصلاحات کرے گا اور ایرانی اسلامی انقلاب کو بھی بچائے گا؟ یا انہوں نے اس لیے ووٹ دیا تھا کہ ان کا نو منتخب صدر ایسا انقلابی انسان ہوگا جو پورے نظام کو بدل دے گا، مروجہ نظام کی جگہ دوسرا نظام لے آئے گا؟ نکسن سنٹر کے مسٹر جیفری کیمپ کے بقول: ''لوگ ایسی توقع نہیں رکھتے تھے''۔

> ایران میں آج صدر کا منصب عملی طور پر کوئی طاقت کی علامت نہیں، بلکہ طاقت اور تبدیلی کا سرچشمہ تو روحانی لیڈر خامنہ ای کی ذات ہے۔

مسٹر کیمپ، مسٹر ورم سر اور دوسرے ماہرین کی رائے ہے کہ ''ایرانیوں کا اپنے انقلاب سے اعتماد اٹھ چکا ہے، کیوں کہ انہیں انقلاب سے کچھ نہیں ملا۔ پابندیاں، بدعنوانی، تیل کی قیمتوں میں کمی، انتظامی بدحالی، معاشی سست رفتاری وغیرہ نے تو ان کے معیار زندگی کو شاہ کے زمانے سے بھی نیچا کر دیا ہے''۔ ورم سر کے نزدیک: ''آپ محض تخیلاتی دنیا کے خواب دکھا کر زیادہ عرصے تک قربانیاں نہیں مانگ سکتے، اور نہ ہی یہ ممکن ہے کہ ایسی باتوں سے لوگوں کو تادیر بہلایا جا سکے''۔

واشنگٹن پوسٹ کے نامہ نگار جان لانسٹر نے اپنے حالیہ مشاہدے کو رپورٹ کرتے ہوئے لکھا ہے:
''وہ لوگ جو ''مردہ باد امریکہ'' کے نعرے بلند کرتے نہیں تھکتے تھے، آج اسی امریکہ کے ثقافتی مظاہر سے فیض یاب ہونے کی بھوک میں مبتلا دکھائی دیتے ہیں۔ اگرچہ سرکاری طور پر پابندی ہے، تاہم اس کے باوجود غیر قانونی طور پر، کثیر تعداد میں امریکی فلمیں اور موسیقی میں مائیکل جیکسن اور میڈونا کے گانوں بھرے البم نہ صرف دستیاب ہیں، بلکہ نئی نسل میں مقبول بھی ہیں۔ امریکہ مردہ باد نعروں سے لکھی ہوئی دیواروں پر میٹالیکا اور گنز اینڈ روزز کے الفاظ بھی مل جائیں گے۔ کتابوں کی دکانوں پر، جان گریزم، سڈنی شیلڈن، اور ڈینیل اسٹیل کے ناولوں کے فارسی ترجمے بڑی تعداد میں میسر ہیں''۔

ورم سر کا اندازہ ہے کہ: ''ایران کا موجودہ حکومتی ڈھانچہ پانچ یا زیادہ سے زیادہ آئندہ دس برسوں کے دوران **منہدم ہو جائے گا**''۔ ساندرہ میکی پیش گوئی کرتی ہے کہ: ''خاتمی جیسے لوگوں کی، بڑے پیمانے پر ایرانی حمایت کریں گے، جو مذہبی حمایت یافتہ عناصر کو پیچھے دھکیل دیں گے۔ اس طرح ایک زبردست سیاسی ابھار آئے گا، جو ممکن ہے انقلاب تو نہ ہو، مگر آئندہ دو تین برسوں میں ایک مختلف نوعیت کی حکومت

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

قائم کرنے کا ذریعہ بن جائے گا''۔

محسن میلانی نے قیافہ لگایا ہے کہ: ''جلد یا بدیر، محمد خاتمی جیسے لوگ ہی منتخب ہو کر آئیں گے اور تبدیلی کے عمل کو تیز کریں گے''۔ لیکن سوچنے کا ایک پہلو یہ بھی ہے کہ ملک کا سیاسی نظام کیا نئے طرزِ فکر کی آبیاری کا راستہ دے گا۔ واشنگٹن کی ایک مشہور یہودی تنظیم کی رائے ہے کہ، تمام طاقت تو شدت پسندوں کے ہاتھوں میں مرتکز ہے، جو اپنے نظام کی حفاظت کے لیے مناسب اور موزوں حفاظتی نظم وضبط رکھتے ہیں''۔

پروفیسر آزر نفیسی، ہاپکن یونیورسٹی اس بات سے اتفاق کرتی ہیں کہ: ''صدر خاتمی کے لیے حالات کو اپنے ڈھب پر ڈالنے کے لیے بہت کم مواقع میسر ہیں۔ وہ [مذہبی عناصر] انہیں آگے جانے کی اجازت تو دیں گے، مگر بے سود۔ اس حقیقت کا ادراک خود صدر خاتمی کو بھی ہے۔ پھر خاتمی کا منتخب ہونا کسی بیداری کا بڑا پیش خیمہ نہیں ہے، اور نہ اس سے یہ نتیجہ اخذ کر لینا چاہیے کہ انقلاب کے دن گنے جا چکے ہیں۔ یہ انتخابی نتائج دراصل انقلاب کی تاریخ کا [داخلی سطح پر] ایک چکر ہیں۔ جیسے اشتراکی روس میں سختی، پھر نرمی اور دوبارہ مزید سختی کا ہم نے مشاہدہ کیا ہے''۔

امریکی پابندیاں اٹھنے کا امکان

امریکہ کی ایران کے خلاف تلخی کا نقطۂ عروج تہران میں امریکی سفارت کاروں کو قید کرنا تھا۔ امریکہ کا خیال ہے کہ ایران میں مولویوں کی حکومت، امنِ عالم کے لیے خطرے کی علامت ہے۔ اسی لیے امریکہ نے ایران سے تعلقات منقطع کیے اور اپریل ۱۹۸۰ء میں اقتصادی پابندیاں عائد کر دیں۔ البتہ سفارت کاروں کی رہائی کے وقت (جنوری ۱۹۸۱ء) پابندیوں میں نرمی آئی، مگر جنوری ۱۹۸۴ء میں صدر رونالڈ ریگن نے اس وقت ایران پر نہایت سخت پابندیاں عائد کر دیں، جب بیروت میں امریکی بحریہ کی رہائش گاہوں پر بمباری کے عمل میں ایران نے حملہ آوروں کی مدد کی۔

صدر کلنٹن انتظامیہ کے دور میں ایران پر مزید پابندیاں عائد کی گئیں۔ ۱۹۹۵ء میں صدر نے امریکی کمپنیوں کو ایران میں تیل کی صنعت کو ترقی دینے اور اس میدان میں مدد کرنے سے روک دیا۔ ۱۹۹۶ء میں کانگرس نے ان غیر ملکی کمپنیوں کو سزا دینے کے لیے قانون پاس کر دیا جو ایران اور لیبیا میں توانائی کی صنعت میں سرمایہ کاری کریں۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

آج ایران کو تیسرے ملک کی وساطت سے بھی کوئی مال برآمد نہیں کیا جاسکتا۔ امریکی سو ڈالر سے کم مالیت کا ایرانی سامان درآمد کر سکتے ہیں۔ ایران میں سرمایہ کاری اور اس سے مالی لین دین ممنوع ہے۔ لیکن کم وبیش پچھلے ایک سال سے امریکی اور دوسرے پالیسی سازوں نے ان پابندیوں کے جواز پر کھلے عام سوال اٹھانے شروع کر دیے ہیں۔ فلوریڈا یونیورسٹی کے اسکالر میلانی کہتے ہیں: ''ہم کو اعتدال پسندوں کی حوصلہ افزائی کرنی چاہیے۔ ایسا صرف پابندی اٹھانے سے ہوسکتا ہے''۔

میکی اتفاق کرتی ہیں کہ: ''پابندیاں اٹھانے سے اصلاحات کے حامیوں میں جرات پیدا ہوسکتی ہے۔ ہم حقیقتاً ایران میں خاتمی اور دوسرے لوگوں کو ایک مؤثر پیغام دے سکتے ہیں کہ جو کچھ ایران میں کرنا چاہتے ہیں ہم اُس کو سمجھتے اور قدر کی نگاہ سے دیکھتے ہیں''۔

میکی اور میلانی جیسے دوسرے لوگ یہ دلیل دیتے ہیں کہ: ''سخت پابندیاں لگا کر امریکہ ایران میں ایسی صورت حال پیدا کر رہا ہے، جو [بطور ردِ عمل] حکومت میں زیادہ قدامت پسند عناصر کو طاقت ور بنانے میں مدد دیتی ہے''۔

میلانی کے بقول: ''جب ایران میں بڑے پالیسی ساز دیکھتے ہیں کہ ایک ملک انہیں مسلسل برباد کرنے کی کوشش کر رہا ہے، تو انتہا پسند لوگ بالا دست ہو جاتے ہیں۔ وہ لوگ جو امریکی پابندیاں اٹھانے کی بات کرتے ہیں، وہ دلیل دیتے ہیں کہ ان پابندیوں سے کوئی ٹھوس نتیجہ حاصل نہیں ہوا۔ پھر یہ سوال بھی بڑا اہم ہے کہ ۲۰ سال سے لوگ ایران کا رویہ تبدیل کرنے کے لیے پابندیاں استعمال کرنے کی باتیں کر رہے ہیں مگر اس سے حاصل کیا ہوا؟ ان پابندیوں سے ہم صرف اپنے آپ کو شاید ہلکا پھلکا محسوس کرتے ہیں۔ لیکن بر سر زمین ہمیں کوئی معمولی سا فائدہ بھی نہیں ہوا۔ اس کا سب سے بڑا سبب یہ ہے کہ حقیقت میں صرف امریکہ ہی وہ بڑا ملک ہے جس نے ایران پر غیر معمولی پابندیاں عائد کی ہیں۔ مینز یونیورسٹی کے بختیاری کہتے ہیں: ''ایرانی جو چیز چاہیں ایشیا اور یورپ سے حاصل کر سکتے ہیں، گویا اس طرح کی پابندیوں کا فی الحقیقت کوئی زیادہ اثر نہیں ہوا''۔

دوسری جانب پابندیوں کے مخالف کہتے ہیں کہ انہوں نے صرف امریکی کمپنیوں کو سزا دی ہے۔ ایوانِ صنعت وتجارت کے ڈائریکٹر برائے بین الاقوامی پالیسی اور پروگرام جان ہاورڈ کے نزدیک ان

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

پابندیوں کا صرف اتنا کردار ہے کہ یہ ایشیا اور یورپ میں ہمارے تجارتی حریفوں کو فائدہ پہنچاتی رہی ہیں۔ مثال کے طور پر ایران کی توانائی کی صنعت کے مہنگے ٹھیکوں کے لیے امریکی کمپنیاں ٹھیکے نہیں لے سکتیں''۔

ورم سر کی دلیل ہے کہ: ''ملک کے اندر بھی پابندیوں کا بہت زیادہ وزن علامتی ہے۔ کیونکہ عام تاثر کے برعکس ایرانی، امریکہ کے لیے محبت اور تحسین وتوصیف کے جذبات رکھتے ہیں۔ ایرانی، یورپ اور دوسرے ممالک سے اشیاء خرید سکتے ہیں لیکن وہ امریکہ کے عوام اور ثقافت کے لیے نرم گوشہ رکھتے ہیں جسے ضائع نہیں کرنا چاہیے۔ باقی جہاں تک حکمران ٹولے اور امریکہ کے درمیان تصادم کا تعلق ہے تو عام لوگوں پر اس کا کوئی زیادہ اثر نہیں ہے۔

جبکہ نکسن سنٹر کے کیمپ کا نتیجہ فکر ہے کہ: ''پابندیاں اعتدال پسندوں کی قیمت پر انتہا پسندوں کو آگے بڑھاتی ہیں، ایک بے معنی مفروضہ ہے۔ حقیقت میں یہ پابندیاں اعتدال پسند عناصر کو ایرانی معاشرے میں ابھارتی ہیں کیونکہ ہر کوئی جانتا ہے کہ امریکی پابندیوں کی وجہ سے ہونے والا نقصان ایران کی سخت پالیسیوں کا نتیجہ ہے۔ یہ پابندیاں قدامت پسندوں کو بتاتی ہیں کہ جتنا تم انتہا پسندانہ پالیسیاں اختیار کرو گے اتنا ہی پوری قوم کو ان کی قیمت ادا کرنا پڑے گی اس لیے جتنا ہم دباؤ بڑھائیں گے اتنا ہی تبدیلی کو تحریک ملے گی اور اگر پابندیوں کا یک طرفہ خاتمہ کرتے ہیں تو یہ قدم ایران میں قدامت پسندوں کے لیے مددگار ثابت ہوگا۔ کیونکہ قدامت پسند اسے کمزوری کی علامت سمجھیں گے اور کہیں گے کہ امریکہ خوف زدہ ہے اور اس میں مقابلہ کرنے کی سکت نہیں''۔

کلنٹن انتظامیہ نے پابندیوں کے خاتمے کے مسئلہ پر مباحثہ میں درمیانی راستہ اختیار کیا ہے۔ اس نے اس کے یک طرفہ خاتمہ کی بات نہیں کی بلکہ ایرانی اشاروں کے تناسب سے پابندیاں نرم کرنے کا اشارہ دیا ہے۔ امریکی وزیر خارجہ میڈلین البرائٹ نے ۱۷ جون کو نیویارک میں ایشیا سوسائٹی میں اپنے خطاب میں کہا: ''اسلامی جمہوریہ کو متوازی اقدامات کے بارے میں سوچنا چاہیے۔ اگر ایسا عمل شروع کیا گیا جو دونوں طرف کے خدشات کا ازالہ کر سکے، تو پھر ہم امریکہ میں مختلف قسم کے امکانات دیکھ سکتے ہیں۔ جونہی بے اعتمادی کی یہ دیواریں گریں گی اور جب اسلامی جمہوریہ تیار ہوگا، تاہم معمول کے تعلقات کی شاہراہ تعمیر کر سکتے ہیں''۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

اس کے علاوہ وائٹ ہاؤس نے ایران کے خلاف پابندیوں کو سخت کرنے میں دلچسپی کا اظہار نہیں کیا۔ خصوصاً جب ایسے پروگرام میں دوسرے ممالک شامل ہوں۔ مثال کے طور پر اس سال کے شروع میں امریکی حکومت نے ایران اور لیبیا پر پابندیوں کے قانون کے تحت اس کنسورشیم کے خلاف اپنے اختیارات استعمال نہ کرنے کا فیصلہ کیا جو فرانس، روس اور ملیشیا کی کمپنیوں پر مشتمل ہے، اور جو ایران میں قدرتی گیس کے ذخائر کی ترقی میں سرمایہ کاری کر رہا ہے۔ صدر کلنٹن نے اُن غیر ملکی کمپنیوں کے خلاف پابندی عائد کرنے والی قانون سازی کو ویٹو کر دیا، اور ان کمپنیوں کے خلاف قانون سازی کو بھی مسترد کر دیا جنہوں نے ایران کو میزائل ٹیکنالوجی مہیا کی ہے۔

ایران۔قبل از انقلاب

آج کا ایران کسی ایک بنیاد پر نہیں بلکہ کئی بنیادوں پر تعمیر کیا گیا ہے۔ پہلی بنیاد قدیم فارس ہے۔ ایک تہذیب جو ڈھائی ہزار سال سے زیادہ عرصہ قبل ابھری، جس نے وسطی ایشیا کے زیادہ تر حصے اور شرق اوسط کو فتح کیا۔ ایک وقت میں عظیم دارا اور سائرس کی حکمرانی فارس، ہندوستان کی مغربی سرحدوں سے لے کر یونان تک پھیل گئی تھی۔ اگرچہ بعد میں اسکندر اعظم نے اس کے ٹکڑے ٹکڑے کر دیے۔ لیکن اس فارسی تہذیب نے ایک ثقافت اور قومیت کے احساس کو جنم دیا۔ جو آج بھی قائم ہے۔

ایران کی دوسری بنیاد اسلام ہے۔ جسے ۷ویں صدی میں عرب حملہ آور اپنے ساتھ لائے۔ لیکن ۹۰ فیصد دنیائے اسلام کے برعکس، جو سنی مکتب فکر سے تعلق رکھتی ہے، ایران کی غالب اکثریت شیعہ مکتبِ فکر کی پیروی کرتی ہے۔ رسول [صلی اللہ علیہ وسلم] کے وصال کے بعد قیادت کی کشمکش کے نتیجہ میں اہلِ تشیع اسلام کے بنیادی دھارے سے الگ ہو گئے۔ اگرچہ شیعت منفرد طور پر صرف ایران کا مذہب نہیں، لیکن زیادہ تر اہلِ تشیع کا تعلق بہر حال ایران سے ہے۔

ایران میں انقلاب سے پہلے صدیوں تک بادشاہتوں کے خاندانی سلسلوں نے حکومت کی۔ آخری پہلوی خاندان کی بنیاد ۱۹۲۵ء میں ایرانی فوج کے قائد نے رکھی جس نے حکومت پر قبضہ کر لیا تھا۔ ایران کو جدید بنانے کی جدوجہد میں اُس نے ملک کی سماجی خدمات اقتصادی ڈھانچہ کو بہتر بنانے اور روزمرہ زندگی میں اسلامی اثرات کو کم کرنے کی کوشش کی۔ دوسری عالمی جنگ [۴۵-۱۹۳۹ء) کے دوران جرمنوں سے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ہمدردی کی وجہ سے رضا شاہ کا برطانیہ اور سوویت یونین سے جھگڑا ہو گیا، جنہوں نے اُسے اقتدار سے ہٹا دیا، اور اس کے بیٹے محمد رضا شاہ کو تخت پر بٹھا دیا۔ جنگ کے بعد شاہ نے ایران کو برطانیہ اور امریکہ کا حلیف بنا کر کھلے عام مغرب نواز پالیسیاں اختیار کیں۔ ۱۹۵۳ء میں شاہ ایران کو اقتدار سے ہٹانے کی [اشتراکی] کوشش امریکہ کی مدد سے ناکام بنا دی گئی۔

> چھٹے عشرے تک، شاہ قوم کی تیل کی آمدن کا زیادہ تر حصہ ایران کو جدیدیت کے قالب میں ڈھالنے پر خرچ کر رہا تھا۔ ایرانی معاشرے کو لادین [سیکولر] اور مغرب کے راستے پر ڈالنے کی وسیع تر کوششیں کی گئیں۔

اگرچہ ایران میں تیل ۱۹۰۵ء میں دریافت ہوا، مگر ملک میں تیل کی صنعت نے جنگ کے بعد کے زمانے تک پوری طرح ترقی نہ کی تھی۔ چھٹے عشرے تک، شاہ قوم کی تیل کی آمدن کا زیادہ تر حصہ ایران کو جدیدیت کے قالب میں ڈھالنے پر خرچ کر رہا تھا۔ ایرانی معاشرے کو لادین [سیکولر] اور مغرب کے راستے پر ڈالنے کی وسیع تر کوشش کے طور پر خواتین کو نئے حقوق دیے گئے۔ تعلیم، حفظانِ صحت اور روزگار کو ترقی دینے کے پروگراموں پر فراخ دلی سے پیسہ خرچ کیا گیا۔ زرعی زمین کو جاگیرداروں سے ضبط کر کے دوبارہ تقسیم کیا گیا۔ لیکن وقت گزرنے کے ساتھ ''سفید انقلاب'' نامی پالیسیوں نے ایران میں بہت سے لوگوں کو ناراض کر دیا۔ مذہبی قیادت اور دوسرے مذہبی لوگ معاشرے کو لادین بنانے کی کوششوں کی مزاحمت کرنے لگے۔ خصوصاً تعلیم اور حقوقِ نسواں کے معاملہ میں علماء نے اور زمینداروں نے زرعی اصلاحات کے خلاف ترقی کی۔ خود تاجر بھی اس سخت گیر طریقے سے ناخوش تھے جو بادشاہ نے چھوٹے درجے پر معیشت چلانے کے لیے اختیار کیا۔

چھٹی دہائی کے آخر تک شاہی حکومت کے مخالفین ایک مذہبی راہنما آیت اللہ روح اللہ خمینی کے گرد اکٹھا ہونا شروع ہو گئے، جسے شاہ ایران کی بے لاگ مخالفت پر ۱۹۶۴ء میں جلاوطن کر دیا گیا تھا۔ بیرون ملک سے خمینی نے ایرانی معاشرہ پر لادینیت مسلّط کرنے پر زبردست تنقید کی، لیکن خمینی صاحب نے سمجھداری سے کام لیتے ہوئے مذہبی لوگوں کی حکومت قائم کرنے کا مطالبہ نہ کیا، جو شاہ کے غیر مذہبی مخالفین کو خوف زدہ کر سکتا تھا۔ اس کے بجائے خمینی صاحب نے یہ دلیل دی کہ: ''علماء کا کام ایرانی عوام اور حکومت کی رہنمائی کرنا ہے''۔ جب ساتویں دہائی شروع ہوئی تو شاہ کی مخالفت معاشرے کے تمام طبقوں

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

اور ساری سطحوں میں سرایت کر گئی۔ شاہ نے اس شدت کی پرواہ کیے بغیر اختلاف رائے کو بے رحمی سے دبانے کا راستہ اختیار کیا جس کے نتیجے میں بہت سارے ہمدرد کھو دیے۔

دو سال سے کم عرصے بعد جنوری ۱۹۷۸ء میں ایک سرکاری اخبار میں شائع ہونے والے مضمون سے جس میں آیت اللہ خمینی کے کردار پر حملے کیے گئے تھے مظاہروں کا ایک سلسلہ شروع ہو گیا۔ سرکار کے مسلح دستوں نے احتجاج کرنے والے سینکڑوں افراد قتل کر دیے۔ ماضی کے برعکس اس بار حکومتی اقدامات کا الٹا ردِ عمل ہوا۔ جوں جوں ہفتے اور مہینے گزرتے گئے، مظاہروں کا حجم، تعداد اور شدت بڑھتی گئی۔ بعد از خرابیٔ بسیار عوام میں اپنی حکومت کا اعتماد بحال کرنے کی امید پر شاہ ایران حکومت کے سربراہ کی حیثیت سے دست بردار ہو گیا اور مخالف سیاست دان شاہ پور بختیار کو وزیر اعظم مقرر کیا۔ لیکن اس کا یہ قدم بھی عوام کا غصہ ٹھنڈا کرنے میں ناکام رہا۔

۱۶ جنوری ۱۹۷۹ء کو شاہ ایران نے اعلان کیا کہ وہ مصر میں چھٹیاں گزارنے جا رہا ہے، اس بہانے وہ جلا وطن ہو گیا۔ یکم فروری کو آیت اللہ خمینی نے ایران کی سرزمین پر قدم رکھا، جہاں ایک ہیرو کی حیثیت سے ان کا استقبال ہوا۔ دو ہفتے سے کم مدت میں شاہ پور بختیار وزیر اعظم کی حیثیت سے مستعفی ہو کر ملک سے بھاگ گیا۔ یکم اپریل ۱۹۷۹ء کو اسلامی جمہوریہ کا قیام عمل میں آیا اور ایران دنیا کی واحد مذہبی ریاست بن گیا۔ اگلے سال شاہ ایران کا قاہرہ میں انتقال ہو گیا۔

انقلاب کے بعد سیاسی حکمت عملی

انتشار اور بحران ایک دشمن معاشرے کے مختلف طبقوں کو مشترک نکتے پر باہم جوڑ دیتا ہے لیکن جب دشمن کا خاتمہ ہو جاتا ہے تو فاتح اکثر بالکل ہی الگ پروگرام اختیار کر لیتے ہیں۔ برے وقتوں کے حلیف بدلی ہوئی صورت حال میں شدید مخالف بن جاتے ہیں۔ شاہ کے فرار کے بعد اس طرح کا سیاسی طاعون ایران میں بھی پھیل گیا۔ نئی جمہوریہ میں سب سے طاقتور گروہ ملا تھے جنہوں نے خمینی کی قیادت میں اسلامی جمہوریہ کی تعمیر شروع کی۔ فوج اور تربیت یافتہ وفادار پاسدارانِ انقلاب کے دستوں کی مدد سے، ملاؤں نے بڑی مستعدی اور بعض اوقات بڑی بے رحمی سے شاہ کی مخالفت کے دوران اپنے حلیف انقلابی محاذ کے دوسرے افراد کو منظر سے غائب کرنا شروع کر دیا۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

آزاد خیال، معتدل اور کچھ لادین دانشور جو شاہ کی مخالفت میں پیش پیش تھے، جمہوریہ کے اہم ابتدائی دنوں کے دوران بہت سے اہم سیاسی و انتظامی مناصب پر فائز رہے۔ جن میں شاہ کے بعد انقلابی دور میں پہلے وزیرِاعظم مہدی بازرگان اور مقبولیت سے منتخب ہونے والے صدر ابوالحسن بنی صدر شامل تھے۔ ۱۹۸۱ء تک بازرگان اور بنی صدر دونوں کو جبراً عہدے چھوڑ دینے اور جلاوطن ہونے پر مجبور کر دیا گیا۔ اگلے دو برسوں کے دوران خمینی اور دوسرے ملاؤں نے حزبِ اختلاف کو شدت سے دبا کر اپنی گرفت کو مضبوط کیا۔ پاسدارانِ انقلاب نے کمیونسٹ تحریک کے کارکنوں سے لے کر تاجروں تک ہزاروں لوگوں کو قید یا قتل کر دیا۔ ان بہت سے بدنصیبوں میں ایسے افراد بھی تھے جنہوں نے چند برس پہلے شاہ ایران کا تختہ الٹنے میں مدد دی تھی۔

> فوج اور تربیت یافتہ وفادار پاسدارانِ انقلاب کے دستوں کی مدد سے، ملاؤں نے بڑی مستعدی اور بعض اوقات بڑی بے رحمی سے شاہ کی مخالفت کے دوران اپنے حلیف انقلابی محاذ کے دوسرے افراد کو منظر سے غائب کرنا شروع کر دیا۔

جمہوریہ کے ابتدائی ایام میں سیاسی حکمتِ عملی بہت سارے واقعات سے متاثر ہوئی۔ شاہ ایران کے زوال کے ایک سال سے کم عرصہ میں، نومبر ۱۹۷۹ء کو ایران کے مسلح طالب علموں نے تہران میں امریکی سفارت خانے کے کمپلیکس پر قبضہ کر لیا۔ ماسوائے ۹ افراد کے تمام کے تمام ۶۱ سفارت کاروں اور دوسرے لوگوں کو جو اس وقت سفارت خانہ کے اندر موجود تھے، قیدی بنا لیا گیا۔ ان یرغمالی امریکیوں کو ۴۴۴ دن قید میں رکھا گیا۔ امریکی صدر جمی کارٹر نے مختلف دھمکیوں اور ترغیبات سے یرغمالیوں کو رہا کرانے کی ناکام کوشش کی۔ جن میں ایک امریکی حملہ بھی شامل ہے، جو بری طرح ناکام ہوا۔ آخرکار ۲۰ جنوری ۱۹۸۱ء کو جس دن رونالڈ ریگن نے نئے صدر کی حیثیت سے حلف اٹھایا، ان یرغمالیوں کو رہائی نصیب ہوئی۔ ایران میں یرغمالیوں کے بحران نے اعتدال پسندوں کی قیمت پر انتہا پسندوں کو مضبوط بنایا۔ سفارت خانہ پر قبضہ سے پہلے بعض ایرانی حکام، امریکہ سے تعلقات درست کرنے کی کوشش کر رہے تھے، جو شاہ ایران کے زوال کے بعد بری طرح خراب ہو گئے تھے۔ لیکن اس بدلی ہوئی صورت حال میں امریکہ مخالف عناصر نے ان افسروں اور ان کی پالیسیوں کو ناپسند کیا۔ دوسرے اعتدال پسند جنہوں نے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

طلبہ کی حمایت کرنے سے انکار کر دیا، ان کی حب الوطنی اور انقلاب کے بارے میں وفاداری مشکوک ہو گئی۔ اس طرح ان میں سے بہت سے اقتدار سے محروم ہو گئے یا حکومت سے اُن کی تطہیر کر دی گئی۔

ایران-عراق جنگ

اب اسلامی جمہوریہ کو امریکہ سے بھی بڑے خطرے کا سامنا تھا اور وہ تھا ستمبر ۱۹۸۰ء میں ایران پر عراقی حملہ۔ ایران نے جس امریکی سفارت خانے سے جن دستاویزات پر قبضہ کیا تھا، اُن سے ظاہر ہوا کہ عراقی صدر صدام حسین کو یقین تھا کہ وہ ایران میں انتشار اور سیاسی جھگڑے کھڑے کر کے اسلامی جمہوریہ کا تخت الٹ دے گا۔ شروع میں اس کے حربے کامیاب بھی رہے۔ کیل کانٹے سے اچھی طرح لیس عراقی فوج نے ایران میں گھس کر بہت بڑے علاقے پر قبضہ کر لیا، لیکن اسی دوران ایرانیوں نے لڑنے والی ایک اچھی فوج بنا لی، جس میں شاہ کی سابق فوج کی باقیات اور بہت بڑی تعداد میں مسلح رضا کار شامل تھے۔

صدام حسین نے زیادہ تر مفتوحہ علاقہ ایرانی فوجوں کے سامنے کھونے کے بعد، ایران سے فوجی دستے نکال لیے اور جنگ بندی کا اعلان کر دیا۔ لیکن فتح سے سرشار اور انتقام پر تلے ہوئے ایرانیوں نے تصادم ختم کرنے سے انکار کر دیا۔ جولائی ۱۹۸۲ء میں امام خمینی نے اعلان کیا کہ جب تک صدام کو اقتدار سے ہٹایا نہیں جاتا، جنگ کا خاتمہ نہیں ہوگا۔ جنگ نے طول پکڑا اور منظر نامہ تبدیل ہو گیا۔ اپنی اعلیٰ توپوں اور مستحکم پوزیشنوں کے باوجود ایرانی دستے عراقی فوج کے پاؤں نہ اکھاڑ سکے۔ اگلے چار سالوں میں یہ تصادم جوں کا توں والی صورت حال کی شکل اختیار کر گیا۔ دونوں ممالک، عراق کے ایک سرحدی علاقے میں جامد محاذ پر شدید لڑائی لڑتے رہے۔ صورت حال بہت زیادہ پہلی عالمگیر جنگ سے مشابہ تھی۔

> ایران نے امریکی سفارت خانے سے جن دستاویزات پر قبضہ کیا تھا، اُن سے ظاہر ہوا کہ عراقی صدر صدام حسین کو یقین تھا کہ وہ ایران میں انتشار اور سیاسی جھگڑے کھڑے کر کے اسلامی جمہوریہ کا تخت الٹ دے گا۔

میلوں لمبی خندقیں، جنگی جذبے سے سرشار انسانوں کی یلغار اور اعصاب شکن گیس کے حملے۔ ۸۷-۱۹۸۶ء میں جنوبی عراق کے شہر بصرہ کے قریب ایرانی دستوں کی دلیرانہ اور سرفروشانہ کوششوں کے باوجود آگے بڑھنے کی ایرانی کوشش ناکام رہی۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

۱۹۸۸ء تک اسلامی جمہوریہ ایران کی فوج مایوسی اور پست ہمتی کا شکار ہو چکی تھی برسوں تک دفاعی حالت میں رہنے کے بعد صدام کے عراقی دستوں نے ایرانیوں کو پیچھے دھکیلنا شروع کر دیا۔ جولائی تک عراقیوں نے ۱۹۸۲ء میں کھوئے ہوئے تمام علاقوں پر قبضہ کر لیا اور ایران پر دوبارہ حملے کی تیاری شروع کر دی۔ اس مرحلے پر امام خمینی اقوام متحدہ کے ذریعے طے کردہ جنگ بندی پر آمادہ ہو گئے اور آخر کار تصادم ختم ہو گیا۔

> علی خامنائی اور ہاشمی رفسنجانی کو انتہا پسند عناصر کی تطہیر میں کسی حد تک کامیابی ہوئی۔ انہوں نے پانچ سالہ ترقیاتی منصوبہ بنایا اور ملکی وسائل کے بڑے حصے کو فوج کے بجائے جنگ سے تباہ حال معیشت اور صنعتی ڈھانچہ کی بحالی کی طرف منتقل کیا۔

ایران کے لیے یہ جنگ ایک خوف ناک تباہی تھی۔ ایران کے تقریباً ۵ لاکھ نوجوان کسی قابلِ ذکر کامیابی کے بغیر مارے گئے۔ تیل کے چشموں اور تیل صاف کرنے والے کارخانوں پر میزائیلوں اور ہوائی حملوں سے پوری معیشت اور خصوصاً تیل کے صنعت برباد ہو کر رہ گئی۔

ایران — امام خمینی کے انتقال کے بعد

۱۹۸۹ء کا سال ایران میں سیاسی مدوجزر اور تبدیلی کا سال تھا۔ مارچ میں خمینی نے معاشی اور سماجی پروگرام میں اپنے اعتدال پسند جانشین آیت اللہ حسن منتظری کو استعفیٰ دینے پر مجبور کر دیا۔ اس عمل کو مغرب میں انتہا پسندوں کی کامیابی تصور کیا گیا۔ اسی سال کے وسط میں ۸۹ سالہ آیت اللہ خمینی انتقال کر گئے۔ ملک افراتفری اور غم میں ڈوب گیا۔ بھارت کے لیڈر گاندھی یا مصر کے صدر جمال عبدالناصر کی طرح امام خمینی، اپنی قوم کے ایک پورے عہد کی تشکیل کرنے والی شخصیت تھے۔ عام مبصرین کا خیال تھا کہ امام خمینی کی موت اپنے پیچھے سیاسی جھگڑے اور خانہ جنگی کی بربادی چھوڑ جائے گی، لیکن بعد کے واقعات نے دنیا کو حیران کر دیا۔ خمینی کی موت کے اگلے دن صدر علی خامنائی کو خمینی کی جگہ روحانی قائد منتخب کر لیا گیا۔ اس منصب پر وہ تا حال فائز ہیں، جبکہ اگست میں مجلس کے اسپیکر آیت اللہ ہاشمی رفسنجانی کا بطور صدر مملکت تقرر ہوا۔ اگلے دو سال کے دوران انہوں نے اپنے اقتدار کو استحکام بخشنے کے لیے کام کیا۔ یہ دونوں لیڈر، امام خمینی سے زیادہ عملیت پسند تھے۔ انتہا پسند عناصر کی تطہیر میں انہیں کسی حد تک کامیابی بھی ہوئی۔ انہوں نے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

عوام کا معیارِ زندگی بہتر بنانے کے لیے پانچ سالہ منصوبہ بنایا اور ملکی وسائل کے بڑے حصے کو فوج کے بجائے جنگ سے تباہ حال معیشت اور صنعتی ڈھانچہ کی بحالی کی طرف منتقل کیا۔ جب ایرانی قائدین کی تمام تر توجہ داخلی مسائل کی طرف تھی تو بین الاقوامی سطح پر نئے چیلنج سامنے آئے۔ خلیجی جنگ کے بعد ایران۔عراق تعلقات کا عمل سست روی سے جاری تھا کہ ۲ اگست ۱۹۹۰ء کو عراق نے کویت پر قبضہ کرلیا۔ جس کے نتیجے میں جب شام، سعودی عرب اور مصر جیسے ممالک امریکہ کے ساتھ عراق مخالف محاذ میں شامل ہوگئے تو صدر صدام حسین نے ایران سے کشیدگی ختم کرنے اور تعلقات کو معمول پر لانے کے لیے پُرکشش شرائط کے ساتھ پیش کش کی۔ جسے ایرانی قیادت نے قبول کرلیا اور ۱۰ ستمبر کو دونوں ممالک کے درمیان سفارتی تعلقات دوبارہ بحال ہوگئے۔ کویت-عراق جنگ کے دوران ایران نے غیر جانبداری پر سختی سے عمل کیا۔ ایران نے کویت پر عراقی قبضہ اور خلیج میں امریکی فوجوں کی آمد، دونوں کی مذمت کی۔

> ایران حقیقتاً ایک جدید معاشرہ ہے۔ جسے ایک رجعت پسند اور بنیاد پرست مذہبی حکومت کنٹرول کر رہی ہے۔

۱۹۹۳ء میں ایران میں دوبارہ انتخابات ہوئے۔ اگرچہ کرسی پر براجمان صدر کو اپنے پانچ سالہ منصوبے کے ذریعے عوام کا معیار زندگی بلند کرنے میں زیادہ کامیابی نہ ہوئی، پھر بھی وہ بھاری اکثریت یعنی ۶۳٫۲ فی صد ووٹوں سے کامیاب ہوئے۔ اس کامیابی کی وجہ کمزور حزب مخالف اور حکومتی مشینری بالخصوص ابلاغ کی زبردست حمایت تھی۔ اپنے بعد کے چار سالہ دور میں انہوں نے سرکاری شعبہ میں چلائی جانے والی سست رو معیشت کو زیادہ کھلی منڈی کی معیشت بنانے کی کوشش کی۔ تیل اور خوراک پر سرکاری امداد (subsidies) کو کم کردیا جس سے عوام پر مصائب کے پہاڑ ٹوٹ پڑے۔ عوام میں غم وغصہ پیدا ہوا اور ۱۹۹۴ء کے موسمِ بہار تک ایران میں مظاہرے شروع ہوگئے۔ بڑھتی ہوئی کشیدگی نے نئے چیلنج پیدا کردیے۔ حکومت کی گرتی ہوئی مقبولیت نے قدامت پسندوں کے حوصلے بڑھا دیے۔ انہوں نے پارلیمنٹ میں اصلاحات کو روکنے کی کوشش کی۔ سابقہ حلیف علی خامنائی نے رفسنجانی اور دوسرے عملیت پسندوں پر حملے کیے اور اصلاحات طاق نسیاں ہو گئیں۔ ۱۹۹۷ء کے آنے تک ایرانی عوام، چاول کی قیمت سے لے کر سماجی پابندیوں تک ہر چیز سے ناراض ہوگئے۔ آئین کی رو سے صدر صرف دو انتخاب لڑ سکتا ہے۔ لہٰذا رفسنجانی اب انتخاب میں حصہ نہیں

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

لے سکتے تھے۔ رفسنجانی کی جگہ لینے کے لیے اہم ترین امیدوار جسے حکومت اور خامنائی کی پشت پناہی حاصل تھی قدامت پسند اسپیکر پارلیمنٹ آیت اللہ ناطق نوری تھے جبکہ اُن کے حریف رفسنجانی کابینہ کے سابق وزیر ثقافت محمد خاتمی تھے، جنہیں آزاد خیالی اور مغرب نوازی کی وجہ سے استعفیٰ دینا پڑا تھا۔ خاتمی آل رسولؐ سے تعلق رکھتے ہیں۔ وہ انقلاب کے حامی بھی ہیں، اور مغرب نواز بھی۔ وہ مقناطیسی اور دوستانہ شخصیت کے حامل ہیں۔ انہوں نے طاقت ور رفسنجانی اور ان کے حلیفوں کی مدد سے اپنے آپ کو ''تبدیلی کے عامل'' کی حیثیت سے پیش کرتے ہوئے انتخابی مہم چلائی۔ بڑے بڑے عوامی جلسے کیے، ۷۰ فیصد ووٹوں سے کامیابی حاصل کی اور پارلیمان میں قدامت پسندوں کو شکست دی۔

بدلتا ہوا معاشرہ

آج ایرانی قیادت انقلاب کے تجربہ کار سیاست دانوں پر مشتمل ہے۔ اس کے باوجود ایرانی معاشرہ زیادہ آزاد خیال ہوتا جارہا ہے۔ اسلامی جمہوریہ کی پابندیاں اپنی جگہ پر قائم ہیں۔ مگر اُن کو پہلے جیسے جوش وخروش سے نافذ نہیں کیا جاتا، بلکہ بعض معاملات میں تو نظر انداز بھی کر دی جاتی ہیں۔ جان ہاپکنز یونیورسٹی کی نفیسی کی رائے ہے کہ: ''حکومت، عوام کے پیچھے بھاگ رہی ہے۔ ایران حقیقتاً ایک جدید معاشرہ ہے۔ جسے ایک رجعت پسند اور بنیاد پرست مذہبی حکومت کنٹرول کر رہی ہے۔ یہ حقیقت وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ واضح ہوتی جارہی ہے۔ مذہبی جذبہ جو پچھلے عشرے کی امتیازی علامت تھا، اب سرد پڑ چکا ہے''۔ بختیاری کی رائے ہے کہ: ''مساجد کی رونقیں کم ہوتی جارہی ہیں۔ لوگ مذہب کا مظاہرہ کرنے سے گریز کرتے ہیں، بلکہ یہ ایک نجی معاملہ بنتا جارہا ہے۔

اجتماعی اخلاقیات کے معاملے میں بھی رویہ تبدیل ہوتا جارہا ہے۔ غیر شادی شدہ لڑکوں اور لڑکیوں کا ہاتھوں میں ہاتھ دے کر کھلے عام پھرنا ممنوع ہے۔ عورتیں اجتماعی جگہوں مثلاً بسوں اور اسکولوں میں سر اور ٹانگیں ڈھانپتی ہیں۔ اسلامی انقلابی کمیٹیاں اب بھی مردوں کے قابل اعتراض رویوں کی نگرانی کے لیے کھلے اور عوامی نوعیت کے مقامات پر گشت کرتی ہیں۔ مگر اس کے باوجود نوجوان نسل خلاف ورزی کرتی اور ضوابط کو توڑتی ہے۔ اسی پر بس نہیں بلکہ ایسے اجتماع ہوتے ہیں، جہاں عورتیں مغربی لباس پہنتی اور میک اپ کرتی ہیں بلکہ اسکرٹ بھی پہنتی ہیں۔ شراب چلتی ہے اور رقص ہوتا ہے اور اگر انقلابی محافظ دیکھ لیتے

© rasailojaraid.com

ہیں تو اُن کو رشوت دے کر جان چھڑائی جاتی ہے۔

ثقافتی شعبہ میں بھی تبدیلی ہو رہی ہے۔ پہلے سے کہیں زیادہ جاندار پریس ہے۔ اخبارات اور جرائد مختلف نقطہ نظر پیش کرتے ہیں۔ ٹیلی وژن جو بے کیف اور بور حکومتی نشریاتی چینلوں کا مجموعہ تھا، اب اُس سے مذہبی پروگراموں کے ساتھ ساتھ ہلکے پھلکے ڈرامے اور اس طرح کے دوسرے پروگرام نشر ہوتے ہیں۔ بلکہ بعض نشریاتی چینلوں پر تو ''روبوکوپ'' اور "Dance of Wolves" جیسی امریکی فلمیں بھی ٹیلی کاسٹ ہوتی ہیں۔ انٹرنیٹ اور وی سی آر کی وجہ سے ملک میں مغربی ثقافت کا طوفان آ گیا ہے۔ غیر قانونی طور پر درآمد شدہ موسیقی، کتابیں اور دوسرے مغربی پروگرام آسانی سے دستیاب ہیں۔ ایرانیوں کی بڑھتی ہوئی تعداد نے ڈش سیٹلائٹ پر حکومتی پابندی کو توڑا ہے۔ مدم سر کہتے ہیں: ''ایرانی، مغرب کی ہر چیز سے محبت کرتے ہیں۔ اور اُن کا خیال ہے کہ ہر اچھی چیز امریکہ سے آتی ہے۔ اور وہ اس سے بہتر ہے جو [ایرانی] حکومت پیش کرتی ہے۔ ایک ایسے ملک میں جہاں امریکہ کو ''شیطانِ کبیر'' قرار دیا جاتا ہے، وہاں امریکی اشیاء سے محبت بڑی عجیب چیز محسوس ہوتی ہے۔ اس کی وجہ ایرانی معاشرے میں نوجوانوں کی کثیر تعداد ہے۔ ایرانی اُمور کے ماہرین مسجد کی جگہ عوامی ٹیلی وژن کو دینے کی توجیہ یہ کرتے ہیں کہ عوام کی اکثریت ۲۵ سال سے کم عمر کے لوگوں پر مشتمل ہے، جو انقلاب، امام خمینی اور شاہ ایران کے متعلق کچھ نہیں جانتے۔ اسی لیے ان کے نزدیک ہر اچھی چیز مغرب خصوصاً امریکہ سے آتی ہے۔

انٹرنیٹ اور وی سی آر کی وجہ سے ملک میں مغربی ثقافت کا طوفان آ گیا ہے۔ غیر قانونی طور پر درآمد شدہ موسیقی، کتابیں اور دوسرے مغربی پروگرام آسانی سے دستیاب ہیں۔ ایرانیوں کی بڑھتی ہوئی تعداد نے ڈش سیٹلائٹ پر حکومتی پابندی کو توڑا ہے۔

معاشی مصائب

شرق اوسط کے بہت سے ملکوں کی طرح ایران کا زیادہ تر انحصار تیل پر ہے۔ اس کی ۸۰ فی صد برآمدات اور ۱۷ فی صد قومی پیداوار تیل سے حاصل ہوتی ہے۔ ۷۰ کے عشرہ میں جب تیل کی قیمتیں اپنے عروج پر تھیں، تیل کے منافع کے مثبت اثرات کو وسائل کے ضیاع اور بدعنوانی نے زائل کر دیا۔ لیکن پھر بھی

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

حکومتی سرپرستی میں صنعتی ترقی اور اقتصادی ڈھانچے نے ملک کو جدید بنانے اور روزگار پیدا کرنے میں مدد دی۔ گزشتہ چند برس تیل پیدا کرنے والے ملکوں پر خاصے بھاری گزرے ہیں۔ تیل کی قیمتیں انتہائی سطح پر گرگئی ہیں۔ ایک ایسے وقت جب بے روزگاری بڑھ رہی ہے اور عوام کا معیارِ زندگی گر رہا ہے ایران کو زرمبادلہ کی ضرورت ہے۔ بختیاری کہتے ہیں کہ قیمتیں گرنے سے وہ خوف ناک صورت حال سے دوچار ہے۔

دوسرے ممالک کے برعکس ایران تیل کی پیداوار بڑھا کر اپنی آمدنی میں کمی کو پورا کرنے کے قابل نہیں اگرچہ اس کے مسلمہ ذخائر کا اندازہ ۹۳ ملین بیرل یعنی متحدہ عرب امارات جیسے بڑے تیل پیدا کرنے والے ملک کے برابر ہے۔ لیکن اس کی تیل نکالنے کی صلاحیت کم ہوگئی ہے۔ مثلاً یہ صلاحیت ۱۹۹۷ء میں ۳ء۶ بلین بیرل جبکہ شاہ کے آخری سال ۱۹۷۸ء میں ۵ء۷ بلین بیرل تھی۔ ۸۸-۱۹۸۰ء کی ایران عراق جنگ میں دونوں ممالک نے ایک دوسرے کے چشموں، تیل صاف کرنے والے کارخانوں اور پائپ لائنوں کو تباہ کر دیا۔ جن کی بحالی، سرمایہ اور ماہرین کی کمی کے باعث ممکن نہ ہوسکی۔ پھر امریکہ سے کمزور تعلقات کے باعث یورپین کمپنیاں تعمیرِنو میں مدد دینے سے متامّل رہیں۔ ایران کو اپنی قدرتی گیس کے وسیع ذخائر سے استفادہ کرنے میں بھی مشکل کا سامنا رہا۔ جس کا سبب بھی سرمایہ اور فنی مہارت کی کمی ہے۔ جبکہ ایران کے پاس روس کے بعد دنیا کا سب سے بڑا گیس کا ذخیرہ ہے جس میں سے معمولی مقدار برآمد کی گئی اور سارے کا سارا گھریلو صارفین کے زیرِ استعمال رہا۔

پوری دنیا کی طرح ایران میں بھی توانائی کے اہم شعبوں کی آمدن کم ہو رہی ہے۔ اقتصادی نمو پچھلے سال ۲ء۳ فی صد سے سست رہی، جبکہ ۱۹۹۸ء میں ۲ فی صد کا اندازہ لگایا گیا۔ ترقی یافتہ ممالک کے لیے یہ شرح اضافہ معمول کے مطابق بلکہ صحت مندانہ ہے۔ جبکہ ایران جیسے ترقی پذیر ملک کے لیے یہ عوام کے معیارِ زندگی میں اضافہ نہیں کرسکتا۔ اقتصادی ماہرین کی رائے کے مطابق کارکنوں میں اضافہ کے لحاظ سے روزگار مہیا کرنے اور بے روزگاری کو بڑھنے سے روکنے کے لیے ۶ فی صد شرح اضافہ درکار ہے۔ بے روزگاری کی شرح بہت زیادہ ہے۔ حکومتی اندازہ ۱۳ فیصد ہے جبکہ بیرونی ماہرین کے مطابق ۲۰ فیصد ہے۔ آبادی میں اضافہ نے صورت حال کو اور زیادہ خراب کر دیا ہے۔ چھ کروڑ ستر لاکھ لوگ جو کہ ملک کی آبادی کا

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

نصف ہیں، ۱۹۷۹ء کے انقلاب کے بعد پیدا ہوئے۔ جس کا مطلب ہے کہ آنے والے سالوں میں بہت سے نوجوانوں کو روزگار کی ضرورت ہوگی۔ مزدور یونین کے سیکرٹری جنرل علی رضا مجیب کا کہنا ہے کہ ۳ کروڑ ۷۰ لاکھ ایسے نوجوان ہیں جن کی عمر ۲۵ سال سے کم ہے۔ جس کا مطلب ہے کہ ملک میں بے روزگاری میں سوفی صد اضافہ ہونے والا ہے۔

اقتصادی وسائل نے زرمبادلہ کی ضرورت میں اضافہ کردیا ہے۔ ریال کی قیمت ڈالر کے مقابلہ میں گرگئی ہے۔ جس کے نتیجہ میں بہت ساری اشیاء اور سہولتوں کی قیمتوں میں اضافہ ہوا ہے۔ ڈپٹی وزیرخزانہ مرتضی قرہ باقین کے مطابق ماہانہ خاندانی آمدن ۷۰ ڈالر تک گرگئی ہے جبکہ خرچ ۱۶۰ ڈالر ہے۔ عام لوگوں کو روپیہ کی کمی کی وجہ سے مسائل کا سامنا ہے۔ جبکہ تیل کی گرتی ہوئی قیمتوں اور بدنظمی کی وجہ سے حکومت دیوالیہ ہونے کے قریب ہے۔ اس نے بھاری قرضے لیے ہیں۔ جن میں مستقبل میں تیل کی فروخت پر پیشگی رقوم کی وصولی شامل ہے۔ اس طرح حکومت چھ کروڑ تیس لاکھ ڈالر کی مقروض ہے۔ جو اس کے سالانہ بجٹ کا ایک تہائی ہے۔ نتیجتاً حکومت کو اپنی ذمہ داریاں پوری کرنے میں مشکلات پیش آرہی ہیں۔ میلانی کہتے ہیں کہ صورت حال اتنی خراب ہے کہ حکومت اکتوبر میں کارکنوں کو تنخواہیں نہیں دے سکے گی۔

اگست ۱۹۹۸ء میں صدر خاتمی نے معیشت کی تنظیم نو کا اعلان کیا جس کا مقصد منڈی کی معیشت کو فروغ دینا ہے۔ اس منصوبے کا بنیادی پروگرام ۶۰۰ حکومتی اداروں کی فروخت ہے، جن کے حصص کارکنوں کو فروخت کیے جائیں گے۔ ایرانی معیشت پر حکومتی کنٹرول زیادہ ہے۔ نجی شعبہ کا قومی آمدنی میں صرف ۲۰ فیصد حصہ ہے۔ فروخت دولت کی بہت بڑی منتقلی ہوگی۔ صدر خاتمی نے غیر ملکی سرمایہ کاری کے لیے بھی ماحول کو سازگار بنانے کی خواہش کا اظہار کیا ہے۔ جس میں غیر ملکی سرمایہ کاری پر ٹیکسوں کی کمی اور قومی تحویل میں لینے کے خلاف تحفظ شامل ہے تاکہ غیر ملکیوں کے لیے منافع کی منتقلی کو آسان بنایا جاسکے۔ معیشت کو آزاد بنانے کی خاتمی کی کوشش کی بہت مخالفت ہونے کی توقع ہے۔ سرکاری شعبہ کی صنعتوں کی نجکاری سے روزگار میں کمی ہوگی۔ جو خاتمی کے قدامت پسند مخالفین کی قوت میں اضافہ اور وسیع پیمانے پر سماجی بے چینی کا باعث ہوگا۔ نکسن سنٹر کے کیمپ کی رائے ہے کہ اقتصادی اصلاحات کے بغیر معیشت کی مزید بربادی ہوگی۔ جس سے داخلی احساس محرومی، عدم استحکام اور سیاسی تشدد پیدا ہوگا۔ بختیاری کے خیال

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

میں خاتمی کے منصوبہ کو مزید مسائل کا سامنا ہے۔ اگر اصلاحات نافذ کی گئیں تو ایرانی اُسے ناکام بنا دیں گے۔'' ایک بہت بڑی بدعنوان اور نااہل نوکرشاہی ہے۔ جو مستعدی اور دانش کے ساتھ بحران سے نپٹنے کی اہلیت نہیں رکھتی''۔

سب کچھ ممکن ہے

ایک قدیم ایرانی کہاوت ''ہر کام مشکل ہے لیکن ہر کام ممکن ہے'' ایران امریکہ تعلقات پر صادق آتی ہے۔ معمول کے تعلقات سے پہلے مشکل رکاوٹوں کو دور کرنا ضروری ہے۔ لیکن بیس برسوں میں پہلی بار اس بات کے امکان سے متعلق کہ پیش رفت ہوسکتی ہے یا نہیں، فلوریڈا اسٹیٹ یونیورسٹی کے میلانی کی رائے ہے کہ مخاصمت ختم ہوسکتی ہے اور معمول کے تعلقات کی ابتداء ہوسکتی ہے کیوں کہ ایران امریکہ سے حقیقی مذاکرات کے لیے تیار ہے، مگر اگلا قدم لازماً امریکہ کو اٹھانا ہوگا۔ خاتمی پہلے ہی مکالمہ کی خواہش کا اظہار کر چکے ہیں اور اُسے جواب میں سوائے لفاظی کے کچھ نہیں ملا۔ میلانی کہتے ہیں کہ ملک کے اندر متشدد حزبِ مخالف کی وجہ سے وہ تیزی سے دوررس اقدام نہیں کر سکتے۔ صدر خاتمی کو اپنی کوشش کے نتائج ظاہر کرنے کے لیے کچھ کرنے کی ضرورت ہے جیسے پابندیوں کا خاتمہ۔ دوسرے لوگوں کا نقطہ نظر تحفظات کا حامل ہے۔ بختیاری کہتے ہیں کہ: ''میں پُر امید ہوں کہ مذاکرات بہتری کی سطح پر آ جائیں گے۔ سخت زبان کا استعمال کم ہوگا۔ جھنڈے کم جلیں گے۔ لیکن جہاں تک حقیقی پالیسی کا تعلق ہے میں نہیں سمجھتا کہ دونوں صدور کوئی ٹھوس قدم اٹھا سکتے ہیں نہ کلنٹن اور نہ ہی خاتمی کو ٹھوس قدم اٹھا کر کچھ مل سکتا ہے''۔

ان کے علاوہ دوسرے لوگ اس سے زیادہ قنوطی ہیں۔ اُن کی دلیل ہے کہ خاتمی امریکہ سے پائیدار تعلقات کے لیے ضروری تبدیلیوں میں دلچسپی نہیں رکھتے۔ واشنگٹن انسٹی ٹیوٹ کے کلاسن کی دلیل ہے کہ خاتمی تعلقات کو بہتر بنانے کی امریکی خواہش کا فائدہ اٹھا رہے ہیں۔ واشنگٹن کی یہودی تنظیم کے عہدیدار بھی کلاسن کی دلیل سے اتفاق کرتے ہیں کہ امریکہ اور ایران میں جلدی اتفاق رائے نہیں ہوسکتا۔ اگر آپ تشدد اور ہتھیاروں کی تیاری پر ایرانی پالیسی کا مشاہدہ کریں تو بظاہر یہی دکھائی دیتا ہے کہ کوئی حقیقی تبدیلی واقع نہیں ہوئی ہے۔

© rasailojaraid.com